گلشن تری یادوں کا ....

ازمحمد اشرف علی محمد پوری ادارہ خالد بن ولیدؓ محمد پور اعظم گڑھ
Mob.: 9794240170

میرے مشفق ومربی استاذ شیخ عبدالحق صاحب بھی وہیں جا پہنچے جہاں ہم سب کو یکے بعد دیگرے پہنچنا ہے، (اناللہ الخ) اللہ تعالیٰ انھیں غریق رحمت فرمائے، انھیں ابدی نعمتیں وراحتیں نصیب فرمائے، عالم آخرت کی ہر مشکل گھاٹی کو اپنے فضل سے آسان فرمائے (آمین)۔

تقریباستر سال پر محیط تدریسی خدمات، حدیث نبوی سے خصوصی شغف واشتغال، شاگرد علماء کی طویل فہرست اور ذاتی صفات وکمالات کے سبب دل کی آواز ہے کہ عندالخلق محبوب یہ شخصیت یقیناً عندالخالق بھی مغفور ومقبول ہوگی۔

اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہؓ آپ کی شفقتوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ ہر شخص کو یہ اندازہ ہوتا کہ سب سے زیادہ تعلق آپؐ کو مجھ سے ہے، یہ صفت اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخؒ کو عطا فرمائی تھی، آپ کے ہزاروں شاگردو متعلقین ہیں، جن کا یہ خیال تھا کہ آپ کو سب سے زیادہ (یا بہت زیادہ) مجھ سے تعلق تھا، یہی وجہ ہے کہ یہ سب آپ کی جدائی سے نڈھال ہیں، اس احساس کے ساتھ کہ آج ہماری انتہائی محبّ محبوب ذات ہمارے درمیان سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئی۔

کسی کی وفات پر ''ہمیشہ کے لئے رخصت ہونا'' بطور محاورہ استعمال کیا جاتا ہے؛ مگر حقیقت یہ کہ مومن اپنے متعلقین ومحبین سے موت کی وجہ سے وقتی طور پر جدا ہوتا ہے، ہمیشہ کے لئے نہیں، بل کہ عالمِ برزخ ومحشر وجنت میں زیارت وملاقات نصوص سے ثابت ہے، مومن کی تسلی و تسکین کا یہ ایک بڑا ذریعہ ہے اوراس کے لئے موت کے محبوب ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ آپؐ کی زبانِ مبارک سے آپؐ کی وفات کے متعلق سن کر، حضرت فاطمہؓ کی بے قراری کوفوراً قراراس وجہ سے آگیا کہ آپ نے ساتھ ہی فرمایا: تم میرے گھروالوں میں سب سے پہلے مجھ سے آملوگی'' (مسلم) حضرت شیخ کی جدائی سے بے تاب لوگوں کے لئے بھی یہ تسکین کا باعث ہے۔

حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے سادہ طبیعت اور منکسر المزاج بنایا تھا، رہائش، لباس، خوردونوش میں آپ انتہائی سادہ تھے، علوشان کے باوجود آپ کو کسی جلسے، ختم بخاری کی تقریب، سنگِ بنیادوغیرہ میں بلانا، اور لے جانا اسی طرح آسان ہوا کرتا تھا جس طرح آپ سے ملنا اور خدمت کرنا، فون کرنا، دل کی بات کہنا، اور دعائیں لینا۔

آپ کی یادداشت حیران کن تھی، بچپن کے قصے، (آپ کی پیدائش ۱۹۲۸ میں ہوئی) زمانہ طالب علمی کے پرلطف اور سبق آموز واقعات ، اکابر کی مجالس کی روحانی باتیں، اساتذہ کے احوال، رشتے ناطوں کی تفاصیل اس طرح جزئیات کے ساتھ سناتے کہ ہماری معلومات کے ساتھ ہماری حیرانگی میں بھی اضافہ ہوتا اور ہم اسے حدیثی خدمت کا اعجاز سمجھتے۔

سادہ ومتواضع ہونے کے باوجود حق گوئی وحق پسندی، اصلاح وتربیت آپ کا طرہ امتیاز تھا، طلبہ وخدام کو ان کی کوتاہیوں ولغزشوں پر تنبیہ فرماتے، حسب موقع کبھی سختی سے اور کبھی نرمی سے۔

ان کی جرأت کا ایک موقع راقم کو تاحیات یاد رہے گا: طلبہ اعظم گڑھ نے اپنی انجمن کے اختتامی پروگرام کے لئے مہمان شخصیت کے بطور، ایک مسلم ایم پی کا انتخاب کیا، انہیں مدعو بھی کرلیا۔ یہ ۲۰۰۴ء یا ۲۰۰۵ء کی بات ہوگی، کیوں کہ سیاسی شخصیت کا انتخاب دارالعلوم کے ضابطے کے

خلاف تھا، اس لئے مشکلات پیش آئیں، طلبہ نے شیخ صاحبؒ کی مدد لی، آپ نے اپنی ذمہ داری پر انتظامیہ سے اجازت دلائی، پروگرام شروع ہوا، شیخ صاحبؒ بھی موجود تھے، موصوف کو آخر میں تاثرات بیان کرنے کی دعوت دی گئی، انہوں نے ساری مصلحتوں اور ضابطوں سے قطعِ نظر، نیم سیاسی تقریر کرڈالی، مزید برآں یہ کہ امت کی زبوں حالی کا ذمہ دار علماء کو گردانا، اور اس بات کا شکوہ کیا کہ ''علماء مدارس کی چہار دیواریوں سے نکل کر میدانِ سیاست میں کیوں نہیں آتے کہ ملت کے مسائل حل ہوں اور یہ کہ جب تک '' یہ '' نہیں ہوگا اس وقت تک '' وہ '' بھی نہیں ہوگا'' وغیرہ وغیرہ۔ اس غیر متوقع تقریر نے ہم طلبہ اعظم گڑھ خصوصاً منتظمین کو سکتے میں ڈال دیا، انہیں تادیبی کارروائی کا خوف ستانے لگا؛ مگر ابھی کچھ اور ہونا باقی تھا، حضرت شیخ صاحبؒ کو دعائیہ کلمات ودعا کے لئے بلایا گیا، آپ نے اپنی مفصل ومدلل تقریر سے حضرت مدنیؒ کی یاد تازہ فرمادی، آپ نے ''من کان للہ کان اللہ لہ'' کی روشنی میں امت کی زبوں حالی کے اصل اسباب کی نشاندہی فرمائی، اور پچھلی تقریر کی فروگذاشت پر اشارتاً (جو تقریباً صراحتاً سے کم نہیں تھا) سخت نکیر فرمائی، راقم دورانِ تقریر حضرت شیخؒ کی جانب محبت وعظمت (جس میں اس موقع پر اضافہ ہوگیا تھا) کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے، پسِ منظر میں، سابق مقرر کی بے چینی کو بھی ملاحظہ کررہا تھا۔ حضرتؒ کی برمحل تقریر نے نہ صرف پچھلی باتوں کے نقصانات کا سدِباب کیا؛ بل کہ طلبہ کے سر سے تادیبی کارروائی کے خطرے کو بھی ٹال دیا، پروگرام ختم ہونے کے بعد حضرت کے ساتھ گھر پر حاضری ہوئی، راقم سے پوچھا :تقریر کیسی تھی؟ بے ساختہ زبان سے نکلا: حضرت! الہامی۔

حضرت مستجاب الدعاء بھی مشہور تھے، مخلوق خدا بکثرت آپ سے دعاء کے لئے کہتی، آپ انہیں مایوس نہیں کرتے، آپ کی دعاؤں سے بہتوں کو فائدہ ہوا۔ راقم ایک بار انہیں اپنے ادارے میں لے آیا، حضرت نے طلبہ سے کچھ سنا، بے حد خوش ہوئے، ناچیز نے حاسدین کی جانب سے پریشانیوں کا تذکرہ کیا اور دعاء کی درخواست کی، حضرت نے دعا فرمائی اور ایک ایسا جملہ کہا جس کا مشاہدہ کھلی آنکھوں ہوا۔

آپ کا درس انتہائی عام فہم اور موضوع سے متعلق ہوا کرتا تھا، غیر متعلق باتوں سے اجتناب فرماتے، تاہم کبھی کبھار کسی جملے یا واقعے سے محفلِ درس کو قہقہہ زار بنادیتے؛ مگر وہ بھی بامقصد اور سبق آموز بات ہوتی۔

دین کے ہر شعبے سے آپ کا گہرا ربط تھا، تعلیم تدریس تو آپ کا شعار ودثار تھا، تصوف وسلوک میں آپ نے مشائخ سے خوب استفادہ کیا، خصوصاً حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ سے آپ کو راہِ سلوک کے بڑے منافع حاصل ہوئے، آپ ان کا تذکرہ بکثرت بڑی عقیدت ومحبت سے فرماتے، آپ کی کسرِ نفسی تھی کہ آپ نے حضرت شیخ زکریاؒ صاحب کے بعد صاحب زادہ حضرت مولانا طلحہ صاحب کی جانب رجوع فرمایا اور (میرے علم کے مطابق) اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ دعوت وتبلیغ کے موجودہ کام سے آپ کو بہت مناسبت ومحبت تھی، تبلیغ واکابرِ تبلیغ کا تذکرہ والہانہ انداز میں فرماتے، اور اپنے شاگردوں کو اس کام سے محبت وتعاون کی تلقین فرماتے، کبھی حضرت شیخؒ کا یہ قول نقل فرماتے: اس کام کے ساتھ ''تدلی الٰہی'' ہے؛ اس لئے اس کی مخالفت نہ کی جائے۔ دارالعلوم میں تبلیغی محنت سے جڑے ہوئے طلباء آپ کو اپنا سرپرست تصور کرتے، آپ ان کے اجتماعات میں دعا ونصیحت کے تشریف لے جاتے، غلطیوں پر مشفقانہ تنبیہ فرمائے۔

جس وقت یہ سطریں ختم ہورہی ہیں دیوبند میں آپ کے جنازے کی تیاری ہورہی ہے؛ مگر میں اور میرے جیسے ہزاروں آپ کے چاہنے والے مقدرات کا شکار ہوکر شریک نہ ہوسکیں گے؛ مگر یہ عدم شرکت جزئی اور جسمانی ہے، ہم اپنی ناقص دعاؤں، بے پناہ جذبات اور عقیدت ومحبت کا گلشن لئے، تصور وخیال کی دنیا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو　　　گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا۔